# تبصرہ و تعارف

**سب رس**

مصنف: سلطان آزاد

صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۳۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبۂ آزاد، نپولین، گلزار باغ، پٹنہ

میرے پیش نظر سلطان آزاد کی کتاب سب رس ہے جس میں مختلف النوع تحریریں، دو ڈرامے، تین فیچر، سات رپورتاژ، ایک انٹرویو اور دو خاکے شامل ہیں اوراسی مناسبت سے انھوں نے اس کا نام 'سب رس' رکھا ہے۔ ابتدائی صفحات پر موجود ڈاکٹر منظر اعجاز کا پیش لفظ بعنوان حرفِ اعجاز، زینت کتاب ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ بالا تمام تحریروں پر اپنی عالمانہ رائے پیش کی ہے۔

سلطان آزاد ایک اچھے افسانہ نگار کے طور پر اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے ''آئینۂ آج کا'' کے تقریباً سبھی افسانے قابلِ تعریف ہیں کہ انھیں زبان کو برتنے کا سلیقہ ہے اور واقعے کو افسانہ بنانے کے ہنر سے بھی وہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اب یہ کتاب دیکھی تو جانا کہ بقول ڈاکٹر منظر اعجاز: ''سلطان آزاد کے ادبی اصطبل کا رخشِ قلم کسی ایک کھونٹے سے بندھا ہوا نہیں ہے۔''

'دبستانِ عظیم آباد' بہار میں اردو ظرافت' تلاش و تجزیہ' وغیرہ کتابوں کے ذریعے سلطان آزاد بحیثیت محقق بھی اہم خدمات انجام دے چکے ہیں۔

اس کتاب میں ڈرامے 'قصہ ایک شاعر کا' اور 'نکتہ چینی' میں ان کے جوہر خوب کھلے ہیں۔ اردو کے دامن میں یوں بھی اچھے ڈراموں کی قلت ہے اور ان ڈراموں کے مطالعے سے، صنف ڈراما کے باب میں سلطان آزاد سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ 'قصہ ایک شاعر کا' بڑا ہی پُر لطف ڈراما ہے۔ اسے پڑھ کر 'ادرک کے پنجے' کی یاد تازہ ہوگئی۔ طنز سے مزین بامحاورہ زبان اور برجستہ مکالمے آخر تک دلچسپی قائم رکھتے ہیں۔ اس کی کامیابی اور مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ ڈراما، آل انڈیا ریڈیو سے کئی بار نشر ہو چکا ہے۔ میں چاہوں گا کہ اس ریڈیائی ڈرامے کو آئندہ سن بھی سکوں۔

دوسرا ڈراما 'نکتہ چینی' کم فہم اور خود سر مدیروں کے آمرانہ سلوک پر لطیف طنز ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک افسانہ نگار اپنا افسانہ لے کر ادبی پرچے کے مدیر سے ملاقات کرتا ہے کہ وہ اسے قریبی شمارے میں شامل کرلے۔ مدیر پہلے تو مصروفیت کا بہانہ بنا کر اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتا پھر افسانہ نگار کے تقاضے پر اسے سننا شروع کرتا ہے اور جگہ جگہ اپنے اختیارات کو عالمانہ رنگ دے کر افسانے کی اصلاح کرتے ہوئے اس کی مٹی پلید کردیتا ہے۔ افسانہ نگار، مدیر کی زیادتی کو بسر وچشم 'برداشت' کرلیتا ہے۔

سلطان آزاد کو چاہیے کہ وہ افسانوں کے ساتھ، صنف ڈراما اور اس میں بھی طنزیہ ومزاحیہ ڈراموں کو چن لیں اوراس میں مشق سخن جاری رکھیں۔

کتاب میں شامل ان کے سپردِ قلم کردہ فیچرز، لیلائے آزادی کا مجنوں پیر علی، ساحر اور جمیل مظہری، سلطان آزاد کے ڈرامائی طرزِ تحریر کے باعث دلچسپ ہیں۔ ان میں شاعروں کے بہترین اشعار کا برمحل استعمال انھیں لائق مطالعہ بناتا ہے۔ اسی طرح خاکے 'شاعر گر استاذ' اور 'چچا کی کارگزاریاں' سلطان آزاد کے بے تکلف طرز تحریر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اس کتاب کو کما حقہٗ پذیرائی حاصل ہوگی۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد یحییٰ جمیل

صدر شعبۂ فارسی، شریمتی لاہوتی کالج، امراوتی، مہاراشٹر

**جذبات مائل** (کلیات مائل گورکھپوری، شیخ جگو)

ترتیب وتدوین: اشفاق احمد عمیر

صفحات: ۲۹۰، قیمت: ۳۰۰ روپے

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

مائل صاحب کی کلیات اس وقت تبصرے کے لیے راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اُس کو اشفاق احمد عمر اور حمید اللہ نے ترتیب دیا ہے۔ یہ دونوں ہی مائل صاحب کے شاگرد اور عقیدت مند ہیں۔ موصوف کے تئیں ان کی عقیدت ومحبت پوری ہی کتاب میں جھلکتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب ادب وشاعری کے ساتھ ہی محبت وعقیدت کا مجموعہ بھی بن گئی ہے۔ زیرنظر کتاب یوں تو شاعری کا مجموعہ ہے، مگر اس میں شعری کلام کے ساتھ ہی جو مضامین دیے گئے ہیں ان میں شیخ جگو کی شخصیت، خدمات اور ان سے وابستہ اداروں، شخصیات اور تنظیموں کا ذکر جس تفصیل اور سلیقے سے کیا گیا ہے اس سے یہ کتاب وہاں کی تاریخ وتہذیب کا بھی مرقع بن گئی ہے۔

کتاب کے مندرجات کا تعارف کچھ اس طرح ہے۔ ابتدا میں مُرتب کتاب اشفاق احمد عمر کا مقدمہ بعنوان ''عبقری استاد: شیخ جگو مائل گورکھپوری'' دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''مشاہیر کے تاثرات'' کے عنوان سے پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، پروفیسر اصغر عبّاس، عاصم گونڈوی، پروفیسر محمد شاہد حسین، پروفیسر شبنم حمید، ڈاکٹر عزیز احمد، ڈاکٹر محمد رضی الرحمٰن، ڈاکٹر کلیم قیصر، ڈاکٹر سلیم احمد، ڈاکٹر عتیق دانش، ڈاکٹر شاہنواز فیاض کے مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کے ذریعہ قلمکار حضرات نے مائل صاحب کی شخصیت اور ان کے دیگر کارناموں کو پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے معاصرین، ماحول اور علاقے کی جملہ خصوصیات وانفرادیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان مضامین کے ذریعے قاری کو مائل صاحب کے ساتھ ہی ان کے اطراف وجوانب کو بھی سمجھنے اور جاننے کا موقع ملے گا۔ یقیناً مضامین سے کتاب کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے۔ یہ مضامین ص ۲۱۲ تک محیط ہیں۔

کتاب میں پیش کیے گئے ان کے کلام سے شیخ صاحب کی شعری صلاحیت پوری طرح اُجاگر ہوتی ہے اور وہ ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے قارئین سے

متعارف ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں جملہ شعری صفات کے ساتھ ہی فنّی خصوصیات بھی دیکھنے کوملتی ہیں۔ وہ ایک لغت میں حضرت محمدؐ کو وجہ کائنات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہم نہ ہوتے، کچھ نہ ہوتا، خواب تھی بزم جہاں
آپ گر پیدا نہ ہوتے یا محمد مصطفےٰ

ان کے یہاں صنعتی شاعری بھی دیکھنے کوملتی ہے جیسا کہ ایک شعر میں وہ تلمیح کا استعمال اس طرح کرتے ہیں:

تمھیں بتاؤ اہل دل! نیاز و ناز کیا کرے
خفا ہوا گر غزنوی تو پھر ایاز کیا کرے

انسانی زندگی کی یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے یعنی زندگی کے مراحل میں آگے داخل ہوتا رہتا ہے۔ تو اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہی رہتی ہیں اور انہی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے وہ دبا چلا جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ ماضی کے دن یاد کرتا ہے اور سکون وراحت سے گزارے ہوئے فارغ البالی کے اُن لمحات پر کفِ افسوس ملتا ہے۔ یہ کیفیت ان کے یہاں اس طرح دیکھنے کوملتی ہے:

وہ صبح عیش اب کہاں، مُسرّتیں وہ اب کہاں؟
دلِ حزیں تو صبر کر، غم و الم کی شام ہے

شاعری بالخصوص اردو شاعری کا محور ہی محبت ہے اور محبت کے بغیر شاعری کا تصور ہی ادھورا ہے یہی محبت آگے بڑھ کر جنوں کا مقام بھی حاصل کر لیتی ہے۔ مائل صاحب کے یہاں ان کا بھی حسین وخوبصورت اظہار کیا گیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

رگ رگ میں محبت کا لہو دوڑ چکا ہے
اپنی سی مگر نشتر فصاد کیے جا

تکمیل جنوں ہوچکی بس ایک نظر میں
اب ہوش و خرد شوق سے برباد کیے جا

زمانہ حاضر میں مادّی غلبے کی وجہ سے اگرچہ انسان اپنی مذہبی روایات اور اخلاقی قدریں گنوا چکا ہے اور محبت ووفا کو فراموش کرنے کا گنہگار رہا ہے، مگر مائل صاحب کو اب بھی یقین ہے کہ ایک دن ضرور وہ ان کی اہمیت کو سمجھے گا اس وقت سبھی کچھ فنا ہوجائے گا، مگر محبت و وفا باقی رہے گی۔ اس حقیقت کی خوبصورت عکّاسی ان کے یہاں اس طرح نظر آتی ہے:

مائل لوگوں سے کہہ دو، مایوس نہ ہوں یاں اہل وفا
اس آتی جاتی دنیا میں ایک نام وفا رہ جائے گا

غزل اور طرحی غزلوں کے ساتھ ہی اس کتاب میں کچھ نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں جن کے ذریعے اہم موضوعات پر شاعر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غرض یہ کہ یہ کتاب شعر وسخن کا ایسا حسین مرقع ہے جس کی بنیاد پر مائل صاحب کی اس یادگار کو اردو شاعری کا خوبصورت گلدستہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اُمید ہے شائقین ادب اس کو خرید کر ادب دوستی کا ثبوت دیں گے۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف
علامہ اقبال اسٹریٹ، سنبھل (یوپی)، موبائل: 9837826809

## معیار نقد

مصنف: ڈاکٹر نسیم ابن صمد
صفحات: ۲۴۰، قیمت: ۲۵۰/روپے
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

اردو کے علمی اور ادبی حلقوں میں نسیم ابن صمد کا نام اہم ہے۔ ان کے مضامین مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوکر منظر عام پر آتے رہے اور قارئین سے داد وتحسین وصول کرتے رہے۔ ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کا تازہ ترین مجموعہ 'معیارِ نقد' کے نام سے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصّہ اصناف شاعری سے متعلق ہے جب کہ دوسرا اصناف نثر سے۔ پہلے حصّے میں کل نو مضامین ہیں اور دوسرے حصّے میں کل چھ مضامین۔ اس طرح اس میں کل سولہ مضامین شامل ہیں۔ کتاب میں شامل پہلا مضمون ''اردو غزل اپنے ارتقائی مراحل کے آئینے میں' ہے۔ غزل اپنے ابتدائی مراحل میں جس تہذیب وثقافت سے بہت زیادہ متاثر تھی اس کی روشنی میں اس کے مآخذ، موضوعات، ایرانی تہذیب و ثقافت کے اثرات کے ساتھ غزل کی بنیادی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ارتقائی مراحل کا تنقیدی محاکمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ غزل کے ارتقا میں صوفیاءِ کرام کا رول، اس عہد کے مسائل، شاعر کے داخلی وخارجی احوال وکوائف کی روشنی میں جائزہ لینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ دوسرا مضمون 'خدائے سخن— میرؔ' ہے۔ کلاسیکی شعرا میں میر کی اہمیت، ان کی شعری معنویت، ان کے موضوعات ومسائل، طرز اظہار، سوز وگداز، حزن ویاس کے علاوہ ان کے تجربات ومشاہدات کا عکس ان کی شاعری میں کس حد تک نمایاں ہے، اس کی تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے ان کے اشعار کی روشنی میں ان کے مقام ومرتبے کے تعین کی کوشش کی ہے۔ تیسرا اور چوتھا مضمون جگر مرادآبادی کے حوالے سے ہے۔ جس میں جگر کے شعری سرمایے کی روشنی میں انھیں ایک 'جدت پسند شاعر' ثابت کرنے اور ان کی 'شاعرانہ عظمت' کو معاصر شعرا کے مابین نشاندہی کی سعی کی ہے۔ اس کے علاوہ جگر کی زبان، لب ولہجہ، طرز اظہار اور اسلوب کی روشنی میں ان کی انفرادیت کو اُجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پانچواں مضمون 'فراق کی شاعری کا رنگ وآہنگ' ہے۔ اس میں فراق نے غزل کے سلسلے میں جو موقف اختیار کیا ہے مثلاً ''غزل انتہاؤں کا سلسلہ ہے۔ اگر تمام فنون لطیفہ احساس حیات وکائنات کا عطر ہیں تو غزل اس عطر کا عطر ہے۔ غزل کا ایک ایک شعر کہنے میں شاعر اپنی پوری شخصیت و

صلاحیت کو صرف کر دیتا ہے۔توجہ کا یہ ارتکاز مصروفیت و محویت و یکسوئی کا یہ عالم عقلی و منطقی طور کی مسلسل نظم گوئی میں نہیں ہوتا۔غزل کا ہر کامیاب شعر جمعیت خیال کی مکمل مثال ہوتا ہے۔'' ان تمام افکار و نظریات کی روشنی میں فراق کی شاعرانہ عظمت، ان کے تنقیدی زاویۂ نگاہ کی روشنی میں مدلل گفتگو کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ چھٹا مضمون 'مہجور: شخصیت و فن کے آئینے میں' ساتواں مضمون 'دھوپ چھاؤں کا شاعر: کمل' اور نواں مضمون 'کوکب غزل فردوس گیاوی' ہے۔یہ تمام مضامین وہ ہیں جو شاعر اور ان کی شعری تخلیقات سے متعلق ہیں، جن میں شعرا کے کلام کی روشنی میں افہام و تفہیم کی سعی کی گئی ہے۔ایک شاعر دوسرے شاعر سے ممتاز اور مختلف کیوں ہے، اس کے اسباب و علل کیا ہیں، ان کی شاعری کی نوعیت کیا ہے۔ان سب سوالوں کی روشنی میں سمجھنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔کتاب میں شامل دسواں مضمون 'ترقی پسند مارکسی اردو ادبی تحریک کا زوال' ہے۔مصنف نے ترقی پسند تحریک جس نے ملک و قوم کے مسائل حیات، تغیر پذیر معاشرہ، عوامی جدوجہد، معاشرتی اور سماجی اقدار و روایات کی تبدیلی، مظلوموں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی اور ان کے اندر زیست کا مادہ پیدا کیا نیز خواب غفلت سے بیدار کر کے عسکریت و ملوکیت اور سامنتی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا حوصلہ بخشا، لیکن اس کے زوال کے اسباب کیا تھے کہ ایک منظم تحریک اختلاف، انتشار، بدنظمی اور جمود و تعطل کا شکار ہو کر ہوگئی۔صاحب کتاب نے سب کا تاریخی حوالوں کی روشنی میں تفصیلی تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔اصناف نثر میں سے دوسرا مضمون 'اردو ادبی تنقید اور سید احتشام حسین' ہے۔جس میں سید احتشام حسین کے ترقی پسندانہ نقطۂ نظر کی روشنی میں ان کے نظریات کو پیش کرتے ہوئے ایک مختصر تجزیہ کیا ہے، جس سے ان کی تنقیدی بصیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔دوسرے حصّے کا تیسرا اور چوتھا مضمون اردو کے اہم فکشن رائٹر احمد صغیر کے افسانوں اور ناولوں کی روشنی میں ان کے فنّی و فکری پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ 'فساد کے افسانے' اور 'ناول: آخر کب تک کا تجزیاتی مطالعہ' بھی اہم ہے۔مذکورہ بالا مضامین کے مطالعے کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مصنف کا تنقیدی شعور ایک مثبت روشنی فراہم کرتا ہے اور قاری کو مطالعے کی دعوت بھی دیتا ہے۔اُمید ہے کہ علمی اور ادبی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

تبصرہ نگار: امتیاز احمد علیمی
سینئر ریسرچ فیلو، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

## شعور تنقید

| | |
|---|---|
| مصنف: | ڈاکٹر افضال عاقل |
| صفحات: | ۴۹۶، قیمت: ۴۰۰؍روپے |
| ناشر: | اضحیٰ پبلی کیشنز ۷۰؍۱، کیشب چندر سین اسٹریٹ، کلکتہ |

شعور تنقید ڈاکٹر افضال عاقل کی جملہ سات تصانیف میں سے ساتویں تصنیف ہے۔اس کتاب کے متعلق 'اپنی باتیں' میں لکھتے ہیں'' میری پانچ کتابیں... شائع ہو چکی ہیں اور ان کتابوں کی نکاسی میں زیادہ دیر نہ لگی... تقریباً ایک سال سے قارئین کے مسلسل تقاضے کی بنا پر ان کی کتابوں کے اہم مقالات و مضامین کی مشترکہ اشاعت پیش خدمت ہے۔'' کتاب کے اس اقتباس سے یہ عمدہ تصور ذہن میں ضرور قائم ہوتا ہے کہ موصوف کی تحریریں مقبول ہیں، بایں بنا قارئین کی تشنگی کو دور کرنے کے لیے یہ سامنے لائی گئی۔الغرض مصنف کے اہم اور پرانے مضامین پر مشتمل یہ ایک نئی کتاب ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کو مصنف نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلے باب کا عنوان ''تحقیق و تنقید کے امکانات'' ہے۔اس باب میں گیارہ مضامین ہیں۔پہلا مضمون'' بنگال میں اردو غزل کا مزاج'' ہے۔یہ اس کتاب کا سب سے طویل مضمون تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں انشاء اللہ خاں انشاء سے لے کر موجودہ عہد تک کے شعرا کا ذکر ملتا ہے، جن کی فہرست بہت ہی طویل ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد احساس ہوا کہ کتاب کا نام ''شعور تنقید' شاید اسی مضمون کی مناسبت سے رکھا گیا ہو۔کیونکہ اردو کے قدیم تذکروں کی طرح شاعروں کی غزلوں پر کسی میں دس تو کسی میں پندرہ سطروں پر تنقیدی و تجزیاتی گفتگو ہے، پھر بطور ثبوت کچھ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔جس میں یقیناً تنقید کا شعور جھلکتا ہے اور کچھ میں نئی تحقیقات کی جانب دعوت بھی ملتی ہے۔اس کے بعد لگاتار کئی عمدہ مضامین بنگال میں افسانہ، تنقید، صحافت، ڈراما، ادب اطفال، ماہیا اور شاعرات بنگالہ پر ہیں۔

'' نئی صدی کا انسان اور اس کا ادب'' کتاب کا ایک اہم مضمون ہے، وہ اس وجہ سے کہ قاری اس میں بہت کچھ نیا تلاش کرنے کی کوشش کرے گا، جبکہ یہ اس کے حسن قرات پر منحصر ہے کہ وہ کتنی نئی چیزیں اخذ کر سکتا ہے۔اس کے بعد ایک عمدہ تجزیاتی مضمون ''تحریک آزادی میں نثری و شعری ادب کا کردار'' ہے۔ حمد و نعت کے باب میں صرف دو مضامین ہیں، جن میں علقمہ شبلی اور ناز قادری کے نعتیہ کلام کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔

شاعری کی تنقید کے باب میں سولہ مضامین ہیں۔پہلا مضمون ''احمد فراز: دریدہ پیرہن کا شاعر'' ہے۔مصنف لکھتے ہیں ''احمد فراز کا شعر خواہ وہ تجربے کی بھٹی سے تپ کر نکلا ہو یا احساس کی تصویر کشی کر رہا ہو دونوں صورتوں میں شعر وسیع القلب تہہ دار معنویت پیش کرتا ہے۔'' ''یا آخی: جدید غزل کا منظر نامہ'' مظفر حنفی کے شعری مجموعہ پر ایک تجزیاتی منظر نامہ پیش کرتا ہے۔''کثیر الجہات فن کار: مضطر عظیم آبادی'' اس مضمون میں ان کی غزلوں کی جن جہتوں کا مطالعہ کیا گیا ہے وہ عمدہ ہے۔وہ جہات کثیر ہیں یا قلیل یہ قاری کے مطالعہ پر موقوف ہے۔''لہو کا درد' اور 'اونچائیوں سے اترتی صدا' کے تناظر میں'' لکھتے ہیں ''نصر غزالی نے اپنی نظموں میں جدیدیت کے وسیلے سے نئی علامت، نیا شعور اور نئی حسیت کو پیش کیا ہے''۔ ''اداس جنگل' میں سمندر بولتا ہے'' یہ مضمون رونق نعیم کے دونوں شعری مجموعوں پر

ایک مختصر تجزیاتی وتاثراتی مضمون ہے۔اس کے بعد کے بھی اکثر مضامین شعری مجموعوں پر یا شاعری پر تنقید کی جھلک کے ساتھ تجزیاتی وتاثراتی ہیں۔

نثر کی تنقید کے باب میں گیارہ مضامین ہیں۔ پہلا مضمون ''اردو ادب کے قدآور تخلیق کار: علامہ شبلی'' ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ قدآور تخلیق کار قدآور ناقد بھی ہو اور یہی نہیں بلکہ تنقیدی راہ بھی متعین کرتے ہوں، لیکن اس مضمون میں کچھ اسی قسم کے نظریات جھلکتے نظر آتے ہیں۔اس کے بعد کے باقی دس مضامین میں تنقیدی جھلک اور مصنف کی اپنی رائے تجزیے اور تاثر کے ساتھ نظر آتی ہے۔

میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے باب میں۔ چھ مضامین دو دو کے اعتبار سے ہر ایک کے شعری اسلوب پر ہیں۔ پہلا مضمون ''مجھ کو شاعر نہ کہو میر'' میں میر کی شاعری کے جملہ صفات و موضوعات مل جائیں گے۔''میر کی مثنوی نگاری'' عنوان کے بعد آپ ایک ضخیم کتاب میں طویل مضمون کی امید کریں گے، لیکن مضمون میں میرؔ کی مثنویوں میں عشق کی حلاوت و ملاحت کی ہلکی سی جھلک مصنف پیش کرتے نظر آتے ہیں۔اس کے بعد غالب اور اقبال پر لکھے گئے مضامین بھی مطلقاً تجزیاتی اور تاثراتی ہیں۔

الغرض اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کے ذہن کی کئی جہات روشن ہوسکتی ہیں۔ جہاں کتاب کا ایک حصہ بنگال میں اردو ادب کی متنوع خدمات پر مشتمل ہے وہیں دیگر مضامین سے گفتگو کے نئے دریچے وا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔امید ہے کہ اس کتاب سے ادب میں نئی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگا۔

تبصرہ نگار: امیر حمزہ

L-11/14، حاجی کالونی، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

**دائرہ** (مختلف اصناف سخن پر مشتمل مجموعہ)

شاعر: اشراق حمزہ پوری

صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۱۵۰/روپے

ناشر: اشراق حمزہ پوری: حمزہ پور، ڈاک خانہ شیر گھاٹی، گیا (بہار)

زیر تبصرہ شعری مجموعہ ''دائرہ'' جواں سال شاعر محمد اشراق المتخلص اشراقؔ حمزہ پوری (پیشے سے اُردو ٹیچر، ڈوڑھی ضلع گیا، بہار) کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔موصوف کا تعلق بہار کے زرخیز اور مردم شناس خطے ''حمزہ پور'' سے ہے۔ادبی حلقوں میں اس خطہ کو ''دبستان عظیم آباد کا ذیلی مرکز'' کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔اسی سرزمین پر عالمی شہرت یافتہ شاعر ناوک حمزہ پوری اپنی مشق سخن سے اُردو شاعری کی زلفیں سنوار رہے ہیں۔اشراقؔ حمزہ پوری کو شاعری ورثے میں ملی۔ان کے نانا حضرت علامہ قوسؔ حمزہ پوری بھی بلند پایہ شاعر تھے۔انھیں بچپن سے ہی شعر وشاعری کرنے کا شوق تھا۔اکتالیس برس کی عمر میں ان کی شعری مساعی منظرِ عام پر آئی ہے۔

اشراقؔ حمزہ پوری نے اپنے شعری مجموعے میں ایک حمد، دو نعت، ایک دُعا، ایک سو رباعی، بیس قطعات، بائیس ماہیے، چالیس دوہے، اٹھارہ نظمیں، تین آزاد نظمیں، دو ترائلے، ایک دوہا نظم، پانچ کنڈلیاں، تیس قطعات تاریخ ارتحال مشاہر ادب، تیرہ غزل اور ایک پیروڈی بر غزل مومن کو شامل کیا ہے۔شعری مجموعے کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی شعری کاوش اور شعری مشق زیادہ تر رُباعی کے ذریعے کی ہے۔دورِ حاضر میں رُباعی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا کسی طرۂ امتیاز سے کم نہیں۔اشراق حمزہ پوری کو اُردو زبان سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے۔اس لیے انھوں نے اپنا ذریعۂ معاش اس میٹھی اور شیریں زبان کو بنایا ہے۔اپنی ایک رُباعی میں اس زبان کی انفرادیت اور خصوصیت کے بارے میں کہتے ہیں:

اک شوخ گلاب کی کلی ہے اُردو
آغوش بہار میں پلی ہے اُردو
خود اپنی حفاظت کا کیا نظم اس نے
لشکر کو لیے ساتھ چلی ہے اُردو

اپنی غزل کے ایک شعر میں اُردو کے قاری کے درد کو انھوں نے یوں بیان کیا ہے:

اس زمانے میں بھی پڑھتا ہے کتاب اُردو
بولا بچہ یہ کہ احمق مرا بابا نکلا

اشراقؔ حمزہ پوری نے اپنے شعری کمالات قطعات تاریخ ارتحال مشاہیر ادب کی تاریخ لکھ کر دکھائے ہیں۔موجودہ دور میں اس صنف کی جانب شعرا حضرات اپنی توجہ کم مبذول کر رہے ہیں، لیکن اشراقؔ صاحب نے نئی نسل کے شعرا میں اس صنف پر مکمل دسترس حاصل کر لی ہے۔اب انھیں اس فن میں قبول عام کی سند حاصل ہو چکی ہے۔۴۰ مشاہر ادب کی وفات پر لکھی گئی تاریخ ارتحال اس کا مسلّم الثبوت ہیں۔جن مشاہیر ادب کی تاریخِ وفات کو موصوف نے اپنے اشعار میں باندھا ہے ان میں کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر کلیم عاجز، ڈاکٹر کیفی اعظمی، پروفیسر قمر رئیس، ڈاکٹر فضاؔ ابن فیضی، پروفیسر وہاب اشرفی، مولانا ابوالحسن ندوی، پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر رفیعہ منظر، ڈاکٹر من موہن تلخؔ، ساغر خیامی کے نام نامی سرفہرست ہیں۔

اُردو شاعری کی آبرو غزل پر بھی اشراقؔ حمزہ پوری نے طبع آزمائی کی ہے۔ان کا غزلیہ اثاثہ صرف اور صرف ۱۳ غزلوں پر محیط ہے، لیکن اس کم سخنی میں بھی ان کے قلم سے بہترین شعر نکلے ہیں۔جنھیں قاری پڑھ کر ذہنی سکون پاتا ہے۔موصوف نے قاری کی ذہانت کو شداد کی جنت قرار دیا ہے:

ایک قطرے سے بھی ہوتے ہوئے دیکھا سیراب
اور دیکھا ہے کہ دریا سے بھی پیاسا نکلا
فکر کی داد ملی تو نہیں لیکن اشراقؔ
محض اک سکتے پہ کیا کیا نہ تماشا نکلا

اشراقؔ حمزہ پوری نے پنجابی صنف ''ماہیے'' میں بھی طبع آزمائی کی۔اس

کے علاوہ انھوں نے دوہے بھی کہے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آنے والے وقت میں ہم ان کی مختلف شعری جہتوں اور سخن فہمی سے روبرو ہوں گے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور طباعت عمدہ ہے۔ کتاب کی پشت پر اشراق حمزہ پوری کی تصویر نمایاں ہے۔ مہنگائی کے اس دور میں شعری مجموعے کی قیمت بھی مناسب ہی ہے۔

تبصرہ نگار: ابراہیم افسر
سِوال خاص ضلع میرٹھ (یوپی)، موبائل: 9897012528

## دھوپ اور صحرا

شاعر: ڈاکٹر مقبول احمد مقبولؔ
صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۰۰ روپے
ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، لال کنواں، دہلی

زیرِ نظر مجموعۂ کلام صوبہ کرناٹک کے شہر اودگیر میں درس و تدریس سے وابستہ ڈاکٹر مقبول کی غزلیات پر شائع ہوا دوسرا مجموعہ ہے۔ اب سے قبل آپ ''آدمی لہو لہو'' عنوان سے اپنا مجموعۂ غزلیات اور ''احساس و ادراک'' عنوان سے دیوانِ رباعیات شائع کرا کر سخن شناس صاحبان میں خاصے مقبول ہو چکے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ میں کل ۴۹ غزلیات ہیں۔ ابتدا ایک حمد اور ایک نعت سے ہوئی ہے۔ ڈاکٹر مقبول کے اشعار کی زبان نہایت سلیس، صاف اور غیر مبہم ہے جو مکالماتی انداز کی ہے اور تشبیہات و استعارات کی طومار سے بوجھل نہیں ہے۔ یوں تو شاعر نے انسانی زندگی کے تمام نشیب و فراز اور شکست و ریخت کو فنکارانہ چابکدستی سے نظم کیا ہے، لیکن انھوں نے غمِ دوراں کو فوقیت دی ہے کیونکہ بقول آنند نرائن ملّا:

وہ اگر خوش بھی ہے، عرفانِ خوشی اس کو نہیں
جس نے جانا نہ کسی غم سے پریشاں ہونا

''دھوپ اور صحرا'' کی غزلیات غم کی ترجمانی کس کس طرح کرتی ہیں اس ضمن میں ذیل کے چند اشعار پیش ہیں:

مانا کہ زندگی میں غموں کا نہیں شمار
لیکن وبالِ فکرِ معیشت ہے اک طرف
ہے ناز بڑا ناز، کہ خوش بخت ہیں ہم بھی
پایا ہے غمِ زیست بھی، محبوب کا غم بھی
آبروئے دل گنوا دی، تجھ سے کہہ کر حالِ غم
تجھ کو بھی اپنی طرح غم آشنا سمجھا تھا میں
آج مجھ پر ہنس رہے ہیں لوگ، تو کچھ غم نہیں
ایک دن ہوگی سبھی کی آنکھ تر میرے لیے

غم سے متعلق مذکورہ بالا اشعار گواہی دے رہے ہیں کہ غمِ دوراں اور غمِ جاناں نے شاعر کو بری طرح جکڑ رکھا ہے تاہم درج ذیل اشعار اس امر کے غماز ہیں کہ وہ یاسیت اور قنوطیت کا قطعی شکار نہیں ہے بلکہ اس میں تمام طرح کے غموم سے نبرد آزما ہونے کا عزم اور حوصلہ بھی ہے۔ اسی لئے ان کا پرزور اعلان ہے:

برہنہ پا ہوں، کڑی دھوپ اور صحرا ہے
سفر طویل ہے مگر مجھے تو جانا ہے
پھر ہوا یوں، اک خوشی کے بعد اک ملتی گئی
درد و غم سے جب ہمیں پنجہ لڑانا آگیا

ڈاکٹر مقبول کے کلام میں غم اور ضبطِ غم کی حسین عکاسی کے ساتھ جمالیات کی دلکشی، شگفتگی اور رعنائی نیز اخلاقی قدروں کا احترام بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیں:

اک نکتہ چیں سے ہنس کے پتنگے نے یہ کہا
جلنے میں کیا مزہ ہے کبھی تو بھی جل کے دیکھ
کسی دوکان میں بصیرت نہ مل سکے گی کبھی
یہ اور بات کہ مل جائے آگہی ہم کو

''دھوپ اور صحرا'' میں شاعر نے کلاسیکل غزل کی روح یعنی وارداتِ حُسن و عشق کو بھی بڑی عمدگی سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے، لیکن اُن کے عاشقانہ اشعار میں بھی بڑی متانت، سنجیدگی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ ابتذال کا شائبہ تک نہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

اے خود پسند حُسن! کبھی پوچھ کے تو دیکھ
مغرور تجھ کو کس نے کیا، جانتے ہیں ہم
جس نے ہمارے دل کو جلایا اور دیے آزار بہت
بات مزے کی یہ کہ اسی سے کرتے ہیں ہم پیار بہت

ڈاکٹر مقبول نے دورِ حاضر کی افراتفری، سیاسی لیڈران اور نام نہاد رہبران کی مکّاری، مذہب کے ٹھیکیداروں کے قول و فعل کے تضاد اور نفرت کی کھیتی کرنے والوں کی چالبازیوں کو بھی خوب خوب اجاگر کیا ہے۔ چند اشعار ان رنگوں کے بھی ملاحظہ کریں:

چلنا سنبھل سنبھل کر، کھاؤ گے ورنہ دھوکا
اوڑھے ہوئے ہیں رہزن اب رہبری کی چادر
جن پر تھا گماں یہ کہ وہ سالار بڑے ہیں
معلوم ہوا اب کہ اداکار بڑے ہیں

سطور بالا میں پیش کئے گئے اشعار کے علاوہ ڈاکٹر مقبول کے مجموعہ کے دیگر اشعار بھی اس امر کے گواہ ہیں کہ انھوں نے خود کو قدیم و جدید یا ترقی پسند جیسی اصطلاحوں میں قید نہیں کیا۔ اُن کی غزلیات میں روایتی تغزل کی چاشنی بھی ہے اور زمانے کے مسائل اور معاشرہ کی زبوں حالی کی عمدہ مصوری بھی ہے۔ قوی امید ہے کہ یہ مجموعہ اُن کی مقبولیت میں اضافہ کا ذریعہ بنے گا۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی
نسیم منزل، مدح گنج پولیس چوکی، سیتاپور روڈ، لکھنؤ (یوپی)

## سایہ دار دھوپ

شاعر: ڈاکٹر حسن نظامی
صفحات: ۱۶۶، قیمت: ۲۵۰/روپے
ملنے کا پتہ: مصنف اور دہلی و پٹنہ کے اہم کتب خانے

اردو ادب کی صنف شاعری ممکن ہے ابتدائی دور میں خدو خال اور نقوش کے اعتبار سے اتنی واضح اور صاف نہ رہی ہو اور اس پر دھند کی چادریں پڑی ہوں، اس کا مطلع اتنا صاف اور واضح نہ ہو، مگر عصر موجود میں تو وہ ایک شیشے کی مانند دھلی دھلائی، نکھری، صاف، شفاف اور اجلی ہے۔ کسی ایسی تصویر کی مانند جس میں رنگ جھلکیاں مار رہے ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے اوپر بہت سے دور گزرے۔ اس کے قبلے بدلے اور اس کے رخ تبدیل ہوئے۔ اس نے کبھی دکن کا پانی پیا تو کبھی دہلی و اطراف دہلی نے اسے گود میں کھلایا۔ کبھی وہ لال قلعے میں نازک نازک بیگمات اور شہزادوں کے ساتھ کھیلی اور کبھی اسے میر و غالب جیسے سخت جانوں نے سینے سے لگایا۔ پھر اسے تحریکات و رجحانات کی مشق و تمرین سے گزر کر وہ جدید و نئے پیمانوں میں بھر کر پیش کی گئی۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ برصغیر دو لخت ہو گیا اور اب اسے ایک نیا گھر مل گیا جہاں کے دریاؤں اور صحراؤں نے اسے گودوں کھلا کر جوان کیا۔

زیر مطالعہ کتاب ''سایہ دار دھوپ'' ایک ایسا ہی مجموعہ ہے جس میں متضاد فکروں کو یکجا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کیفیات کو بیان کیا ہے جو اردو غزل کے محرکات کا حصہ ہیں۔ اس مجموعے میں وہی افکار شامل ہیں جو ان کے کلام اور فکر و پختہ بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلم بدر لکھتے ہیں:

> ''شاعر نے اپنے گھر، سنسار اور کچھ معصوم یادوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ مؤخر الذکر موضوع پر کہے گئے اشعار میں شاعر کے ملتہب دل، دل میں جذب و احساس کی نرم نرم آنچ۔ ان اشعار میں گھر کے تصور کا والہانہ پن، سانسوں میں آنگن کی مہک، یادوں میں احساس کے جگنو کی دمک اور رشتوں کی خوش بو رچی بسی محسوس ہوتی ہے۔''

(اسی کتاب سے۔ ص:۱۳)

اسلم بدر کی یہ تعارفی تحریر ''سایہ دار دھوپ'' کی تفہیم کے در کھولتی ہے اور پھر اس در میں داخل ہوتے ہی اس کے اندرونی گوشے و نہاں خانے روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

وہ اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل کی دہلیز سے باہر نہیں ہونے دیتا
کوئی ہے جو مجھے بے گھر نہیں ہونے دیتا
جس نے بچایا مجھ کو گرنے سے
گھر کی دہلیز کا وہ پتھر تھا

اس طرح وہ گھر کو یاد رکھتے ہیں اور اس کا احسان مانتے ہیں۔ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور ماں کی مانند مانتے ہیں۔ پھر اس کی حفاظت اور اس کی بقا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اب دور بدل گیا اور بدلے ہوئے وقت نے اردو شاعری سے ان موضوعات کو چھین لیا اور وہ ان سے عاری ہو گئی بلکہ نئے وقت میں ان موضوعات و افکار میں مزید توانائی آئی ہے۔ رومانیت، جدت، حسیت وغیرہ یہ پرانے موضوعات ابھی بھی فرسودہ نہیں ہوئے ہیں بلکہ ابھی بھی وہ باتیں اور قدریں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حسن نظامی بھی رومان پسند اور خوب صورت جذبات کے مالک ہیں۔ ان کے یہاں رومان خوب صورت پھولوں کا گلدستہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے یہاں عصر موجود کا کرب بھی در آیا ہے اور وہ ملک کے بگڑتے اور نامساعد حالات کا بہت شدت سے تذکرہ کرتے ہیں:

شاخ پھر دیوار سے اونچی ہوئی
باغ کا مالی مگر بونا ہوا
نام گجرات کا اگر ہم لیں
جسم پر سانپ سے گزر جائے

یہ اشعار مکمل غزل کے تصور اور آہنگ میں ڈوبے ہیں اور ان میں غزل اپنے احساسات سے مالا مال ہے۔ ڈاکٹر حسن نظامی کی غزلوں کا رومانوی انداز دیکھیے:

ابر کی اوٹ سے چاند تکتا رہا
جھیل میں سارا منظر اترتا رہا
کیسے آتی طبیعت میں خوش رونقی
رنگ موسم کا ہر پل بدلتا رہا

یہ انداز اور یہ شعر گوئی ان کے اندر کے ان خوب صورت جذبات کی عکاسی کرتی ہے جو بڑے انسان کے دل میں ایک عمر گزر جانے یا تجربات کی بھٹی میں پوری طرح پگھلنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اشعار ایک پیغام بھی ہیں اور دستاویز بھی ان میں موجود فکریں صالح ہونے کے ساتھ ساتھ تعمیری بھی ہیں۔

کتاب کا سرورق نہایت دیدہ زیب اور دلکش ہے۔ ٹائٹل کے بیچوں بیچ لکڑی کی سیڑھیاں بنی ہیں جو منزل کا پتہ دیتی ہیں اور دو اطراف میں چمن رنگ بکھیر رہے ہیں۔ اوپری حصے میں دائیں جانب سورج بلکہ سفید سورج اس دھوپ کا استعارہ ہے جو سایہ دار اور مہربان ہے۔

امید ہے کہ ڈاکٹر حسن نظامی کی یہ تخلیق اور ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس کی یہ پیش کش ادبی دنیا میں پذیرائی اور اعتبار کی نظر سے دیکھی جائے گی اور خاطر خواہ مقبولیت حاصل کرے گی۔

تبصرہ نگار: عمران عاکف خان
259، تاپتی ہاسٹل، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ 110067